محمد اسحاق بھٹی

حج اور اُس کے ارکان و آداب

اسلام کا قصرِ رفیع پانچ بنیادوں پر قائم ہے، جنھیں "ارکان خمسہ" کہا جاتا ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے ان میں پانچواں رکن حج ہے جو ۹ ہجری میں فرض ہوا۔ حج خدا کی وہ عبادت ہے جو تمام عبادات سے پہلی اور قدیم ترین عبادت ہے۔ اس کے لفظی اور لغوی معنے قصد کرنے اور ارادہ باندھنے کے ہیں۔ اصطلاح میں حج کا مطلب ہے، خاص مذہبی قصد اور ارادے سے کسی مقدس اور پاکیزہ ترین مقام کی طرف عازمِ سفر ہونا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے وہ مقام عرب کے شہر مکہ میں ہے، اور یہ وہی مقام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور جس کا نام کعبۃ اللہ ہے، اس کے گرد خاص انداز سے خاص دنوں میں چکر لگانے اور شہر مکہ میں کچھ روز قیام کر کے اُس کے چند مقامات میں جا کر بعض اعمال و آداب بجا لانے کا نام حج ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ (آل عمران: ۹۶)

(بلا شبہ پہلا گھر جسے انسانوں کے لیے خدا پرستی کا معبد و مرکز بنایا گیا، وہ یہی عبادت گاہ ہے جو مکے میں ہے۔)

مکے کی ابتدائی تاریخ نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب ہے، یہاں اس کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں۔ البتہ اس موقعے پر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن عراق تھا، جہاں کلدانی آباد تھے اور انھی کی وہاں حکومت تھی۔ وہ لوگ ستاروں کی پوجا کرتے اور اُنھیں خدا مانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے منصبِ نبوت

عطا ہوا تو انھوں نے ستارہ پرستی کے خلاف آواز بلند کی اور لوگوں کو ایک خدا کی پرستش کی دعوت دی۔ یہ دُنیا میں اپنی نوعیت کی پہلی آواز تھی ـــ پھر حالات نے ایسا رُخ اختیار کیا کہ حضرت ابراہیم نے مکے کا عزم کیا اور پھر کچھ عرصے بعد یہ جگہ ان کے خاندان کی تبلیغِ توحید کا مرکز قرار پا گئی۔ حضرت اسماعیل کے دور میں اس کی آبادی چند خیموں اور جھونپڑیوں تک محدود تھی۔ پھر آگے چل کر وہ عرب کا ایک ایسا مذہبی شہر بنا جو بہت سے امتیازات کا حامل ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دور آیا اور آپ کو خلعتِ نبوت سے نوازا گیا تو اس شہر نے عالمِ اسلامی کے مذہبی مستقر کی حیثیت سے شہرت پائی۔

جرجی زیدان نے "تاریخ العرب قبل الاسلام" میں لکھا ہے کہ قدیم زبانوں کے بعض محققین کے نزدیک لفظ "مکہ" بابلی یا کلدانی لفظ ہے، جس کے معنی ہیں "گھر"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں آبادی اس وقت قائم ہوئی جب بابل اور کلدان کے قافلے ادھر سے گزرتے تھے اور گھر کی طرح کچھ مدّت کے لیے یہاں قیام کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی پتا چلا کہ یہ شہر اسی گھر یعنی کعبۃ اللہ کی وجہ سے آباد ہوا۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ قدامت اور تقدس کے اعتبار سے خانۂ کعبہ کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ قرآن مجید میں "مکہ" کو "بکہ" کہا گیا ہے اور منقول ہے کہ سب سے پہلے "مکہ" کو "بکہ" کا نام حضرت داؤد کی زبور میں دیا گیا تھا۔

لفظِ "کعبہ" کے لغوی معنے ہیں "چوکور" ـــ یہ گھر ابتدا ہی میں "چوکور" بنا تھا، اب بھی چوکور ہے، اس لیے کعبہ کے نام سے مشہور ہوا۔

حج بیت اللہ بہت پرانی عبادت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار اور انہی کے زمانے سے جاری ہے۔ اس کے ارکان اور اصول تو پہلے سے موجود تھے، لیکن لوگوں نے رفتہ رفتہ ان کا طریقہ بہت حد تک بدل دیا تھا اور ان میں بعض ایسی رسوم داخل کر دی گئی تھیں جن کا طریق ابراہیم سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ اسلام نے ان غلط رسوم کو ختم کرنے کا اعلان کیا اور حکم دیا کہ حج زندگی میں صرف ایک دفعہ فرض ہے اور ان لوگوں پر فرض ہے جن کے پاس زادِ راہ اور آمد و رفت کا خرچ ہو۔ اسلام نے حج کے متعلق جو اصلاحات نافذ کیں وہ مختصر الفاظ میں مندرجہ ذیل ہیں۔

● ـــــ حج سے فارغ ہونے کے بعد قبائل عرب کے مشہور اور بڑے لوگوں نے یہ معمول بنالیا تھا کہ وہ منیٰ میں جمع ہوتے اور اپنے اپنے قبیلوں کے فخریہ انداز میں اوصاف و کمالات بیان کرتے تھے، اسلام نے مفاخرت کے اس سلسلے کو ختم کرنے کا حکم دیا اور اس موقع پر اللہ کا ذکر کرنے کی تلقین فرمائی۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ط

(جب تم حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو چاہیے کہ جس طرح پہلے اپنے آباو اجداد کی بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے، اب اسی طرح اللہ کا ذکر کیا کرو، بلکہ اس سے بھی زیادہ تر (کہ تمام اعمالِ حج کا اصل مقصود یہی ہے)

● ـــــ علاقہ یمن کے لوگ حج کے لیے زادِ راہ لے کر نہیں جاتے تھے، وہ اس نیک سفر پر خالی ہاتھ جانے کو توکل علی اللہ قرار دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مکّے جا کر لوگوں سے بھیک مانگنے لگتے تھے۔ اس پر قرآن نے حکم دیا۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (البقرہ: ۱۹۷)

(حج کے لیے سفر کرو تو اس کے سرو سامان کی تیاری بھی کرو، اور سب سے بہتر سرو سامان اللہ کا تقویٰ ہے۔)

● ـــــ لوگ قربانی کر کے اس کا خون کعبے کی دیواروں پر لگا دیتے تھے اور اسے اللہ سے تقرب کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔ قرآن نے اس سے روک دیا اور فرمایا۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ط

(الحج: ۳۷)

(اللہ تک ان قربانیوں کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے، نہ خون، اس کے حضور جو کچھ پہنچتا ہے، وہ صرف تمھارا تقویٰ ہے۔)

● ـــــ قریش مکہ اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے ممتاز اور بہتر سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے سوا باقی تمام لوگ برہنہ حالت میں بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ اس موقع پر قریش لوگوں کو کپڑے پہناتے تھے، مرد مردوں کے لیے لباس کا انتظام کرتے تھے اور عورتیں

عورتوں کی ستر پوشی کی ذمے داری قبول کرتی تھیں۔ اسلام نے اس بے حیائی کو بند کر دیا، اور فرمایا:

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف: ۳۱)

(عبادت کے وقت اپنے جسم کو زیب و زینت سے آراستہ رکھا کرو۔)

۹ ہجری کو حج کے موقعے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ اعلان کرنے کے لیے مکّے شریف بھیجا کہ آئندہ کوئی شخص برہنگی کی حالت میں طواف نہ کرے، چنانچہ یہ اعلان کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی یہ مکروہ رسم ختم ہو گئی۔

● زمانۂ جاہلیت میں حج کے موقعے پر لوگ بہت سی غیر اخلاقی حرکتیں اور فسق و فجور کا ارتکاب کرنے لگے تھے۔ عورتوں کو پریشان کیا جاتا تھا، ہر قسم کی برائی کو صحیح سمجھا جاتا تھا اور لڑائی جھگڑے تک نوبت آجاتی تھی۔ اس طرح حج کو ایک میلے کی حیثیت دے کر اس کے تقدس کو عملاً ختم کر دیا گیا تھا۔ قرآن نے اس سے سختی کے ساتھ روکا اور فرمایا۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ط

(البقرہ: ۱۹۷)

(یعنی جس شخص نے حج کے دنوں میں حج کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا، وہ حج کی حالت میں ہو گیا، اور حج کی حالت میں نہ تو عورتوں کی طرف رغبت کرنا ہے، نہ گناہ کی کوئی بات کرنی ہے اور نہ لڑائی جھگڑے سے کوئی سروکار رکھنا ہے۔)

● حج کے جس موقعے پر عرفات میں قیام کرنا ضروری ہے، تمام قبائل اس پر عمل کرتے تھے۔ لیکن قریش مکّہ اپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے تھے، وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ وہاں جانا اپنی توہین سمجھتے تھے اور مزدلفہ ہی میں مقیم رہتے تھے۔ اسلام نے ان کے اس امتیاز کو ختم کر دیا اور حکم دیا۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ط (البقرہ: ۱۹۹)

(پھر یہ بات بھی ضروری ہے کہ جس جگہ تک جا کر لوگ انبوہ در انبوہ لوٹتے ہیں، تم اہلِ مکّہ بھی وہیں سے لوٹو اور اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو۔)

● ـــــ کچھ لوگوں نے حج کی ایک خاص قسم ایجاد کر لی تھی جسے "خاموش حج" کہا جاتا تھا۔ وہ لوگ حج کا احرام باندھتے تھے تو خاموش رہتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے ایک عورت کو خاموش دیکھا تو اس کی وجہ دریافت کی۔ عورت نے بتایا کہ اس نے خاموش حج کا احرام باندھا ہے۔ حضرت ابوبکر نے اس کو منع کیا اور فرمایا، یہ دورِ جاہلیت کا کام ہے۔

● ـــــ عرب میں یہ رسم تھی کہ حج کر کے واپس آتے تھے تو سیدھے دروازے سے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ گھر کے پیچھے سے کود کر گھر میں آتے تھے اور ان کے نزدیک ایسا کرنا ثواب کا باعث تھا۔ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ ایک شخص حج کر کے آیا تو دروازے سے گھر میں داخل ہوا۔ لوگوں نے اسے بُرا بھلا کہا۔ قرآن نے ان کو اس سے روک دیا۔ ارشاد فرمایا:

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۚ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۖ (البقرہ : ۱۸۹)

(یہ کوئی نیکی کی بات نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں میں دروازہ چھوڑ کر پچھواڑے سے داخل ہو۔ نیکی تو اس کے لیے ہے جس نے اپنے اندر تقویٰ پیدا کیا۔ تم گھروں میں آؤ تو دروازے ہی کی راہ آؤ۔)

● ـــــ بعض لوگوں کا طواف کرنے کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ وہ نہایت پُر مشقت طریقوں سے اپنے گناہ گار ہونے کا اظہار کرتے تھے۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے ناک میں نکیل ڈالی ہوئی ہے اور دوسرا شخص اس کو نکیل سے کھینچتا ہوا طواف کرا رہا ہے۔ آنحضرت نے اس کی نکیل کٹوا دی۔ اسی طرح حضور نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے رسّی سے اپنا ہاتھ ایک شخص کے ہاتھ میں دے رکھا ہے اور وہ اسے طواف کرا رہا ہے۔ حضور نے رسی کاٹ دی اور فرمایا اس کا ہاتھ پکڑ کر طواف کراؤ ـــ ایک دفعہ طواف کے دوران آنحضرت نے دو آدمیوں کو ایک رسّی میں جکڑے ہوئے دیکھا۔ اس کا سبب دریافت کیا تو بتایا گیا کہ انھوں نے نذر مانی ہے کہ اسی طرح رسّی میں جکڑے ہوئے حج کریں گے۔ آپ نے فرمایا اس مصیبت سے نکلو۔ یہ نذر نہیں ہے،

نذر وہ ہے جس سے خدا کی رضا مقصود ہو۔

——— بعض لوگ بیت اللہ تک پیادہ پا جانے کی نذر مانا کرتے تھے اور ان کے نزدیک یہ بہت بڑے ثواب کا کام تھا۔ آنحضرت نے دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص اپنے دو بیٹوں کے سہارے پیادہ پا جا رہا ہے۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ اس نے یہ نذر مانی ہے۔ حضور نے فرمایا خدا تمھیں مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ پھر آپ نے اسے سواری پر جانے کا حکم دیا۔

بعض عورتیں نذر مانتی تھیں کہ وہ بیت اللہ تک کھلے سر اور برہنہ پا جائیں گی۔ آپؐ نے ایک مرتبہ اسی طرح جاتے ہوئے ایک عورت کو دیکھا تو فرمایا اللہ تمھیں اس طرح پریشان ہونے اور تکلیف اُٹھانے کا کوئی اجر نہیں دے گا، تمھیں سوار ہونا اور دوپٹہ اوڑھنا چاہیے۔ اس قسم کی بہت سی غلط رسمیں تھیں جو حج کے سلسلے میں عربوں میں رواج پا گئی تھیں اور حج کی اس قدیم ترین عبادت کی اصل روح ختم ہو گئی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اصلاحات فرمائیں اور ناروا امور کو ختم کیا۔

اب اختصار کے ساتھ ارکانِ حج کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ارکانِ حج دس ہیں، جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔

پہلا رکن احرام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سفرِ حج پر روانہ ہونے کے بعد جب مختلف ملکوں اور علاقوں کے لوگ ایک خاص مقام پر پہنچتے ہیں تو دنیوی زیب و زینت اور آسائش و نشاط کی تمام صورتیں ختم کر دی جاتی ہیں۔ سلا ہوا لباس اتار دیا جاتا ہے اور جاہ و جلال کی ہر ظاہری شکل ترک کر دی جاتی ہے۔ اب شاہ و گدا اور امیر و غریب ایک ہی قسم کے لباس میں ملبوس ہیں اور انسان کے عہدِ آغاز کا بن سلا کپڑا زیبِ تن ہے جو دو چادروں پر مشتمل ہے۔ ایک چادر کمر سے لپیٹ لی گئی ہے اور دوسری سر ننگا کر کے گردن سے اس طرح لپیٹ لی ہے کہ دایاں ہاتھ ضروری کاموں کے لیے باہر رہے۔ اسے دورِ ابراہیمی کے لباس کی ایک تمثیل کہنا چاہیے۔

احرام کے سلسلے میں یہ بتانا ضروری ہے کہ جو لوگ مکہ مکرمہ اور اس کے قرب و جوار کے

رہنے والے ہیں، وہ اپنے گھروں ہی سے احرام باندھ لیں۔ دُور دراز کے ملکوں سے ہوائی جہاز کے ذریعے عازمِ حج ہونے والے حجاج جہاز پر سوار ہونے کے وقت احرام باندھیں۔ لیکن بحری جہاز سے پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، سری لنکا، برما اور انڈونیشیا وغیرہ سے جانے والے حاجیوں کے لیے احرام باندھنے کا مقام "یلملم" ہے، جس مقام سے احرام باندھا جاتا ہے، اسے "میقات" کہا جاتا ہے۔ اہلِ یمن کا میقات بھی یلملم ہے۔ یہ جگہ ساحلِ سمندر پر مکہ مکرمہ سے کم و بیش ساٹھ میل دُور ایک پہاڑ ہے۔ یمن سے آنے والے حاجی یہیں آکر احرام باندھتے ہیں۔ مگر برصغیر پاک و ہند وغیرہ کے حاجیوں کو یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ جب بحری جہاز اس مقام کے برابر پہنچتا ہے تو جہاز کا کپتان اعلان کر دیتا ہے اور سب حاجی وہاں سمندر ہی میں احرام باندھ لیتے ہیں۔ اس مقام سے جدے کی بندرگاہ جہاں بحری جہاز لنگر انداز ہوتا ہے، ۷۵ میل کے فاصلے پر ہے۔

ہر ملک اور ہر علاقے کے حاجی ایک ہی قسم کے الفاظ زبان سے ادا کرتے ہیں، اور وہ الفاظ ہیں، لبّیک لبّیک لا شریک لک لبّیک۔ ان الحمد و النعمۃ لک والملک لا شریک لک۔

یعنی میں حاضر ہوں یا اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں تیرے دربار میں حاضر ہوں۔ تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں اور ہر قسم کی نعمتیں تیری ہی عطا کردہ ہیں۔ تیری ہی بادشاہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

اسے "تلبیہ" کہا جاتا ہے۔

روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ بڑھا دیے تھے۔

لبّیک لبّیک لبیک و سعدیک والرغباء الیک والعمل۔

یعنی میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، اور تیرا مطیع ہوں، تیری طرف رغبت کر کے آیا ہوں اور تیری ہی رضا کے لیے عمل کر رہا ہوں۔

اس قسم کے الفاظ بڑھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

دوسرا رکن خانہ کعبہ کے چاروں طرف گھومنا ہے، جسے "طواف" کہا جاتا ہے۔ اس اثنا میں اللہ سے دعائیں بھی مانگی جاتی ہیں۔ طواف بھی حضرت ابراہیم کے عہد کی یادگار ہے۔ قرآن نے طواف کا خاص طور سے حکم دیا ہے۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ (الحج: ۲۹)

(اور چاہیے کہ اس قدیم گھر یعنی خانہ کعبہ کے گرد چکر لگائیں۔)

تیسرا رکن حجرِ اسود کا استلام ہے۔ حجرِ اسود کے لفظی معنے کالے پتھر کے ہیں۔ یہ کالے رنگ کا ایک پتھر ہے جو بیت اللہ کی دیوار کے ایک کونے میں قدِ آدم بلند جگہ پر نصب کیا گیا ہے۔ بیت اللہ شریف کئی دفعہ گرا اور کئی دفعہ اس کی تعمیر ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی جو بنیاد رکھی گئی تھی، اب اس کی ایک اینٹ بھی باقی نہیں رہی، مگر اس بیتِ عتیق کے عہدِ قدیم کا صرف ایک پتھر رہ گیا ہے، جسے حجرِ اسود کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دورِ جاہلیت کے باشندگانِ عرب نے اس پتھر کی بے حد حفاظت کی اور اب چودہ سو سال سے زمانۂ اسلام میں بھی وہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنی جگہ پر نصب ہے۔ ۳۱۷ھ میں البتہ فرقہ باطنیہ کے لوگ اسے نکال کر لے گئے تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد پھر واپس کر گئے تھے۔

یہ پتھر بیت اللہ کا طواف کرنے والوں کو طواف شروع کرنے اور ختم کرنے کے لیے ایک نشان کا کام دیتا ہے اور ہر طواف کے اختتام پر اس کو استلام یعنی بوسہ بھی دیا جا سکتا ہے اور اس کے ساتھ سینہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ ہاتھ یا لکڑی یا کسی دوسری چیز کو چھو کر اسے چوم بھی سکتے ہیں۔ اگر بھیڑ کی وجہ سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کی طرف صرف اشارہ کر دینا ہی کافی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک اور پھر آنحضرت کے بعد سے اب تک اس کو کروڑوں اور اربوں افراد کے مقدس و مبارک ہاتھوں نے مس کیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو چوم کر فرمایا تھا کہ اے سیاہ پتھر! مجھے خوب

معلوم ہے کہ تو ایک معمولی پتھر ہے، نہ تو کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان! لیکن میں نے دیکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے چوما تھا، اس لیے میں بھی چومتا ہوں۔

حج کا چوتھا رکن صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا ہے۔ یہ دو پہاڑیاں تھیں، جن کے اب نشان باقی رہ گئے ہیں۔ ان کے درمیان دوڑنے کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور بیٹے حضرت اسماعیل کو جب اللہ کے حکم سے یہاں چھوڑ کر گئے تو حضرت اسماعیل جو بالکل بچے تھے، پیاس سے بے تاب ہو گئے، لیکن پانی کی کہیں ایک بوند بھی نہ تھی۔ صفا اور مروہ نام کی یہ دو پہاڑیاں تھیں، ہاجرہ بیٹے کی پیاس سے سخت پریشان ہوئیں اور پانی کی تلاش میں ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑیں۔ بالآخر زمزم کا چشمہ نمودار ہوا۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور دوڑ اسی مضطربانہ سعی کی یادگار ہے جو حج کا رکن قرار پا گئی ہے اور جسے شَعَآئِرُ اللّٰہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ج (البقرہ: ۱۵۸)

(بے شک صفا اور مروہ اللہ کی رحمت و حکمت کی نشانیوں میں سے ہیں۔)

حج کا پانچواں رکن "وقوفِ عرفہ" کہلاتا ہے۔ یعنی ذی الحجہ کی نو تاریخ کو تمام حاجی عرفات میں قیام کرتے اور زوال کے بعد سے غروبِ آفتاب تک وہاں اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف رہتے ہیں۔ ——— اس میدان میں جو کوسوں میں پھیلا ہوا ہے، تمام ملکوں سے آئے ہوئے حجاج کرام ایک ہی لباس اور ایک ہی طرز و ادا میں کھڑے ہو کر بارگاہِ خداوندی میں رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور آئندہ کے لیے گناہوں سے حتی الامکان محفوظ رہنے کا عہد کرتے ہیں۔ یہیں جبلِ رحمت کے پاس کھڑے ہو کر خطیب دُنیا بھر سے آئے ہوئے حاجیوں کے سامنے خطبہ دیتا ہے، جسے اب ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے تمام دُنیا میں نشر کیا جاتا ہے۔

چھٹا رکنِ حج یہ ہے کہ مغرب کے بعد عرفات سے روانہ ہو کر مزدلفہ کا عزم کیا جائے، یہیں وہ مسجد ہے، جسے مشعرِ حرام کہا جاتا ہے۔ یہاں پوری رات قیام کرنا اور طلوعِ فجر کے بعد تھوڑی دیر عبادت کرنا قرآن نے ضروری قرار دیا ہے۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ص
وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ج (البقرہ : ۱۹۸)

(جب عرفات سے بہت بڑے ہجوم کی صورت میں لوٹو تو مشعر الحرام (یعنی مزدلفہ) میں ٹھہر کر اللہ کا ذکر کرو، اور اسی طرح ذکر کرو، جس طرح ذکر کرنے کا طریقہ تمھیں بتایا گیا ہے۔)

ساتواں رکن حج منیٰ کا قیام ہے۔ یہاں تمام حجاج کرام دو تین دن قیام کرتے اور باہم ملتے اور قربانی کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ط (البقرہ : ۲۰۳)

(یعنی حج کے گنے ہوئے دنوں میں جو معلوم ہیں اور دسویں ذوالحجہ سے لے کر تیرھویں ذوالحجہ تک ہیں، اللہ کی یاد میں مشغول رہو۔)

آٹھواں رکن قربانی کرنا ہے۔ قربانی کا گوشت خود بھی کھایا جائے اور دوسروں کو بھی کھلایا جائے۔ اس میں دوست احباب اور مساکین و فقرا سب کو شامل کیا جائے۔

فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ : (الحج : ۲۸)

(قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔)

نواں رکن حج قربانی کے بعد منیٰ میں سر کے بال منڈوانا یا ترشوانا ہے۔ بال منڈوانے کو "حلق راس" اور ترشوانے کو "قصر" کہا جاتا ہے۔

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا (الفتح : ۲۷)

(اپنے سر کے بال منڈاتے اور ترشواتے ہوئے۔)

دسواں رکن میدانِ منیٰ میں پتھر کے تین ستونوں پر کنکریاں مارنا ہے، جسے "رمی جمار" کہا جاتا ہے۔

ان دس ارکانِ حج میں سے تین ارکان کا تعلق منیٰ سے ہے۔

حج کے یہ تمام مراسم و مناسک اور ارکان و شعائر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے جاری ہیں اور اسی دورِ قدیم کی یادگار ہیں، جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔

حج کے کچھ آداب ہیں جو اللہ اور رسول نے مقرر فرمائے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ احرام باندھنے سے لے کر احرام کھولنے تک ہر حاجی خیر و صلاح کا پیکر اور امن و سلامتی کی تصویر بنا رہے۔

۲۔ لڑائی جھگڑے اور دنگا فساد سے قطعی طور پر اجتناب کرے۔

۳۔ کسی کو تکلیف نہ دے، یہاں تک کہ چیونٹی کو بھی نہ مارے۔

۴۔ کسی جانور کا شکار نہ کرے۔

۵۔ حاجیوں کے قافلوں کو اذیت نہ پہنچائے۔

۶۔ اگر کسی حاجی سے کوئی جانور مر جائے تو اس کا خون بہا دے، جسے "کفارہ" کہا جاتا ہے یعنی مقتول جانور کے برابر کسی حلال جانور کی قربانی دے، یا اس کے بدلے میں چند محتاجوں کو کھانا کھلائے یا اتنے ہی روزے رکھے۔

۷۔ زادِ راہ حلال اور طیب ہونا چاہیے اور اپنے کاروبار اور مصروفیتوں سے اس طرح فراغت حاصل کر کے روانہ ہونا چاہیے کہ دل میں کوئی ہوس اور فکر نہ رہے اور پوری یک سوئی کے ساتھ اللہ کے ذکر اور تعظیم شعائر میں اپنا وقت صرف کر سکے۔

۸۔ بے ہودہ گوئی اور غلط حرکات و سکنات سے کلیتاً کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

۹۔ حج کے دنوں میں شادی اور منگنی وغیرہ کا نہ پیغام بھیجا جائے اور نہ اس قسم کی باتیں کی جائیں۔

۱۰۔ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کیا جائے۔

۱۱۔ اثنائے سفر میں قلب و ذہن کی بشاشت قائم رہے اور مصارف سے طبیعت میں تکدر پیدا نہ ہو۔

اس قسم کے بہت سے آدابِ حج ہیں، جن کا ایامِ حج میں ملحوظ و مرعی رکھنا نہایت ضروری ہے۔

حج کو دُنیا بھر کے مسلمانوں کے عظیم الشان اجتماع کی حیثیت حاصل ہے، جہاں عالمِ اسلام کے سربراہ اور سرکردہ لوگ جمع ہو کر ان اہم امور پر غور کر سکتے ہیں جو ان کو درپیش ہیں اور جو ان کے لیے کسی وجہ سے مشکلات کا باعث بن جاتے ہیں۔ ان اہم امور اور مشکلات کے حل و کشود

کے لیے باہم مشورہ کرنا اور ایک دوسرے سے طالبِ امداد ہونا ضروری ہے۔ لیکن افسوس ہے مسلمان ممالک کے بعض سربراہوں نے جو راہیں اختیار کر رکھی ہیں، وہ ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں۔

سیاسی اور بین الاقوامی حالات کے علاوہ علمی اور فقہی اعتبار سے بھی موجودہ دور میں بہت سے عجیب و غریب مسائل ہمارے سامنے آئے ہیں، ان پر غور کرنے کے لیے عالم اسلام کے علمائے کرام اور اصحابِ علم کو ایام حج میں ایک مجلس مشاورت قائم کرکے ان مسائل کو موضوعِ فکر ٹھہرانا چاہیے۔ حج کرکے ثواب حاصل کرنا بلاشبہ بہت بڑی بات ہے، لیکن اس ملّی اجتماع کے جو دوسرے فوائد ہیں اور جن میں تمام دُنیا کے مسلمانوں کے اجتماعی مفادات وابستہ ہیں، ان کو پیشِ نگاہ رکھنا بھی لازم ہے۔

یہاں یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ حج اسلام کی وہ عبادت ہے جو زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، اور وہ بھی ان لوگوں پر جو زادِ راہ رکھتے اور اپنے گھر سے اللہ کے گھر تک کی آمد و رفت کے مصارف پوری طرح ادا کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں عازمینِ حج کو اس کا اہتمام و انتظام بھی لازماً کرنا چاہیے کہ ان کی حج پر روانگی کے بعد ان کے اُن اہلِ خانہ کا جن کی کفالت ان کے ذمے ہے، کسی نوع کی مالی پریشانی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔ یعنی جس طرح وہ خود اپنے لیے تمام اخراجاتِ سفر کا انتظام کرکے گھر سے روانہ ہوتے ہیں، اسی طرح جن کے وہ کفیل ہیں، ان کے لیے بھی اخراجات کا پورا انتظام کرکے گھر سے قدم باہر نکالیں۔

حج خدا کی قدیم ترین عبادت ہے، لیکن اسے اسلام کی تمام عبادات کے بعد ۹ ہجری میں اس وقت فرض ٹھہرایا گیا، جب مسلمانوں میں مالی اعتبار سے آسودگی پیدا ہوگئی تھی اور وہ اس قابل ہوگئے تھے کہ آسانی کے ساتھ فریضہ سرانجام دے سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مرتبہ حج کیا، اور بھی بہت سے صحابہ کرام نے صرف ایک دفعہ یہ فرض انجام دیا۔

وجوبِ حج کے لیے جس طرح زادِ راہ ضروری ہے، اسی طرح راستوں کا امن و امان بھی ضروری ہے۔ اگر راستے مخدوش ہوں تو حج ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے یہاں فتاویٰ غیاثیہ کا حوالہ دیا

جاتا ہے جو برصغیر میں فتاوٰی کی پہلی کتاب ہے اور ہندوستان کے مشہور فرماں روا سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے منسوب ہے۔ اس کے مصنف کا نام شیخ داؤد بن یوسف الخطیب ہے۔ فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

وفی الجملۃ امن الطریق من شرائط الوجوب بلا خلاف، وخوف الطریق کعدم الزاد والراحلۃ، فالمختار ما قال الفقیہ ابواللیث ان الامن فی الطریق اذا کان غالباً یجب والاّ فھو ساقط [1]

یعنی بلا کسی اختلاف کے حج کے شرائطِ وجوب میں راستوں کا محفوظ و مامون ہونا ہے۔ راستے کے خوف وخطر کی حیثیت بالکل وہی ہے جو زادِ راہ اور سواری کے فقدان کی ہے۔ اس میں پسندیدہ بات وہی ہے جو فقیہ ابواللیث نے کہی ہے کہ جب راستے کے امن و امان کا پہلو زیادہ غالب ہو تو حج واجب ہوتا ہے، ورنہ اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، صاحبِ استطاعت پر شریعت اسلامی نے حج زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ٹھہرایا ہے۔ بعض حضرات کئی کئی مرتبہ حج کا عزم کرتے ہیں، یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے۔ فقہا نے لکھا ہے کہ دوسری مرتبہ حج کرنے کے بجائے اتنی رقم غربا و مساکین کو دے دینی چاہیے۔

من حج مرۃ فاراد ان یحج اخری فالمختار ان الصدقۃ افضل لان نفعھا متعد بخلاف الحج۔ [2]

یعنی جو شخص ایک دفعہ فریضۂ حج ادا کر چکا ہے اور دوسری دفعہ ارادہ رکھتا ہے، تو اس سلسلے میں مذہبِ مختار یہ ہے کہ وہی رقم مستحق لوگوں کو بطور صدقہ کے دینا حج کی نسبت زیادہ افضلیت کا باعث ہے اور زیادہ اجر و ثواب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ متعدد بار حج کے لیے جاتے اور کئی کئی عمرے کرتے ہیں۔

---

[1] ورق ۴۶

[2] ایضاً

رمضان المبارک میں بالخصوص عمرے کے لیے روانہ ہوتے اور وہاں جا کر اعتکاف کرتے ہیں ۔ بے شک یہ اچھی بات ہے اور اگر نیت نیک ہو تو ذاتی طور پر اس کا انھیں بارگاہِ الٰہی سے ثواب بھی ملتا ہوگا، لیکن اگر یہ رقم غریبوں کو دی جائے، مسکینوں اور یتیموں میں تقسیم کی جائے، جو لوگ غربت کی وجہ سے جوان لڑکیوں کی شادی بیاہ کے بارے میں پریشان ہیں، ان کی امداد کی جائے، غربا کے ذہین بچوں کی تعلیم کے لیے پیسے دیے جائیں، ہسپتال اور تعلیمی ادارے قائم کرنے پر توجہ دی جائے تو انفرادی طور پر ثواب کے بجائے یہ ملکی خدمت ہوگی اور پورا معاشرہ اس سے مستفید ہوگا ۔

حکومت کو بھی اس پر غور کرنا چاہیے کہ جو لوگ ایک مرتبہ حج کی سعادت سے بہرہ ور ہو چکے ہیں، ان کو دوسری مرتبہ حج یا بار بار عمرہ کرنے کی بجائے ان کی توجہ ان امور کی طرف مبذول کرائے، جن کا سرانجام دینا ملکی اور معاشرتی اعتبار سے زیادہ فائدہ مند ہے اور ایک شخص کے بجائے جس سے معاشرے کے تمام طبقات استفادہ کر سکتے ہیں ۔

خود اربابِ اقتدار بھی اپنے ارکانِ حکومت اور احباب و متعلقین کا ایک قافلہ لے کر سرکاری خرچ سے حج اور عمرے کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں، انھیں سوچنا چاہیے کہ شرعاً یا اخلاقاً ان کے لیے یہ جائز ہے ؟ بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں، جنھوں نے اسی وقت حج کیا ہے جب وہ اقتدار میں آ گئے ۔ کیا اس سے پہلے ان پر حج فرض نہیں ہوا تھا ۔ ؟